امریکی امداد کی ناقابلِ قبول شرائط

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد جب استعماری قوتوں کے قویٰ مضمحل ہونے لگے اور نوآبادیاتی مقبوضات پر ان کی گرفت قائم رہنے کے امکانات کم ہو گئے تو ان غلام ملکوں کے رہنے والے عوام کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کے آثار پیدا ہو گئے کہ وہ آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد فضا میں سانس لے سکیں اور استعماری قوتوں کے مقبوضہ ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہونے لگے، لیکن سامراجی طاقتوں نے نوآبادیاتی مقبوضات پر تسلط سے مکمل طور پر دستبردار ہونے کی بجائے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ یہ ممالک اور اقوام بظاہر آزاد ہو جائیں مگر ان کی اقتصادی، سیاسی اور فوجی پالیسیوں پر سامراجی آقاؤں کی چھاپ اور کنٹرول بدستور قائم رہے چنانچہ آزاد ہونے والے بیشتر ممالک ظاہری غلامی سے نجات حاصل کرنے کے باوجود اپنی پالیسیوں کے لحاظ سے "ریموٹ کنٹرول غلامی" کا شکار ہو گئے اور آج تیسری دنیا اور عالم اسلام کے بیشتر ممالک کا حال یہ ہے کہ آزاد اور خود مختار ریاستیں کہلانے کے باوجود وہ

- دفاعی خود مختاری اور خود کفالت کے تصور تک سے ناآشنا ہیں۔
- کسی نہ کسی عالمی استعماری قوت کے زیر اثر رہنے پر مجبور ہیں۔
- اقتصادی امداد کے خوشنما عنوان کے تحت ان کی معاشی پالیسیاں امداد دینے والی عالمی طاقتوں کے مفادات کے دائرہ میں محصور ہیں۔
- جدید ٹیکنالوجی اور توانائی کے اعلیٰ ترین وسائل ان کے لیے شجر ممنوعہ ہیں۔

کم و بیش یہی حال پاکستان کا بھی ہے پاکستان جو برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کی اکائی کا ایک حصہ تھا ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے نتیجہ میں وجود میں آیا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے عالمی نقشہ پر ابھرا، پاکستان نے آزادی برٹش استعمار سے حاصل کی تھی لیکن اس وقت برطانوی استعمار عالمی جنگوں کے نتیجہ میں سمٹ سمٹا کر جزائر برطانیہ تک محصور ہو چکا تھا اور اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ پوری دنیا میں مغرب کے سیاسی اور اقتصادی مفادات کے تحفظ کے لیے کوئی رول ادا کر سکے، اس لیے وہ اپنی یہ ذمہ داریاں تازہ دم اور توانا امریکی استعمار کے سپرد کر کے عالمی کردار سے دستبردار ہو گیا۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد طے شدہ منصوبہ کے مطابق پاکستان کی وزارت خارجہ کے نازک منصب پر چوہدری ظفر اللہ جیسے شخص کو لایا گیا جو مرزا غلام احمد قادیانی کے مخلص پیروکار کی حیثیت سے اور اپنے ذاتی کردار کے لحاظ سے بھی برطانوی استعمار کا مکمل وفادار تھا۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو برطانوی استعمار کے جانشین امریکی استعمار کے مفادات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے جس محنت، لگن اور خلوص سے کام

کیا ہے نتائج و ثمرات کو دیکھتے ہوئے اس کی داد نہ دینا ناانصافی کی بات ہوگی۔

جس وقت پاکستان کی خارجہ پالیسی تشکیل کے ابتدائی مراحل میں تھی دوسری جنگ عظیم کے بعد ہونے والی نئی عالمی صف بندی کے نتیجہ میں، امریکہ اور روس نئی عالمی قوتوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے سامنے آچکے تھے۔ اس وقت پاکستان کی نظریاتی اساس، جنوبی ایشیا کے مخصوص حالات اور عالم اسلام کے مجموعی مفادات کا تقاضا تھا کہ پاکستان عزیمت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ان دونوں عالمی طاقتوں کی کش مکش اور باہمی محاذ آرائی میں فریق بننے کی بجائے مکمل طور پر غیر جانبدارانہ خارجہ پالیسی اختیار کر کے عالم اسلام کو متحد کرنے اور ملت اسلامیہ کو ایک مضبوط نظریاتی قوت کے طور پر سامنے لانے کی حکمت عملی اختیار کرتا لیکن ظفر اللہ خان کی وزارت خارجہ نے اس تشکیل شدہ ملک کو خارجہ پالیسی کا جو بنیادی ڈھانچہ مہیا کیا اس نے پاکستان کو بہت جلد امریکی لابی کے ایک وفادار ملک کی حیثیت دے دی اور بالآخر اسے سیٹو اور سنٹو کے معاہدات میں باقاعدہ شریک ہوکر اپنی اس جانبدارانہ حیثیت کو تسلیم کرنا پڑا، اس خارجہ پالیسی کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ پاکستان کی سیاسی اور اقتصادی پالیسیوں پر بھی امریکی چھاپ گہری ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس حد تک ہوا کہ قومی اسمبلی جیسے ذمہ دار ادارے کے ریکارڈ میں ایک اہم ملکی شخصیت کے یہ ریمارکس آج بھی کسی تردید کے بغیر موجود ہیں کہ پاکستان میں حکومت کی کوئی تبدیلی امریکہ کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتی۔

یہ بات اب کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی کہ پاکستان کے سیاسی مستقبل کو امریکہ کی دو بڑی پارٹیوں ری پبلکن پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے درمیان اقتدار اور طاقت کے توازن کے پیمانے میں ماپا جاتا ہے اور اقتدار کی سیاست کرنے والے بڑے سے بڑے پاکستانی سیاستدان کو بھی اپنی قسمت کا حال امریکی وزارت خارجہ کے جنوبی ایشیا کے ڈیسک کے حکام سے معلوم کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی اور دفاعی اقتصادی شعبوں پر اس حد تک کنٹرول کے صلہ میں امریکہ نے پاکستان کو کیا دیا ہے؟ وہ آزمائش کے دو سنگین مراحل ۶۵ء کی جنگ اور ۷۱ء کی جنگ میں امریکہ کے کردار کی صورت میں سب کے سامنے ہے۔

ہماری ان گذارشات کا مقصد یہ تاثر نہیں دینا ہے کہ امریکہ کی بجائے دوسری عالمی طاقت روس کے ساتھ وابستگی کی صورت میں شاید یہ صورت حال کچھ مختلف ہوتی کیونکہ مشرق وسطیٰ اور افغانستان میں روس کا کردار ہم بخوبی دیکھ چکے ہیں کہ وابستہ ممالک کے ساتھ اس کی وفاداری بھی یکطرفہ مفادات تک محدود ہے اور چونکہ امریکہ اور روس دونوں استعماری قوتیں ہیں اس لیے مفادات کے ٹکراؤ کے باوجود ان کے مزاج، ذہنیت اور طریق واردات میں کسی قسم کے فرق اور تفاوت کا تصور کرنا قطعی طور پر ایک غیر منطقی بات ہوگی۔

ہماری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کا جھگڑا طے شدہ منصوبہ کے مطابق صرف اس لیے کھڑا کیا گیا تھا کہ یہ دونوں ملک اپنے وسائل اور توانائیوں کو ترقی پر خرچ کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اور نفرت انگیزی کے لیے وقف کیے رکھیں اور عالمی قوتوں کا دست نگر بننے پر مجبور ہو جائیں چنانچہ اقوام متحدہ کی واضح قرار دادوں اور فیصلوں کے باوجود اس مسئلہ کے حل میں عالمی طاقتوں کی عدم دل چسپی ان کی۔ اس خواہش

کی آئینہ دار ہے کہ مسئلہ کشمیر کا وجود قائم رہے تاکہ ان دونوں ملکوں کی عالمی قوتوں کے ساتھ وابستگی میں کوئی کمزوری نہ آنے پائے۔

سابق صدر ایوب خان کے دور میں پاکستان کی سرزمین سے امریکی اڈوں کے خاتمہ، پھر اس کے بعد سیٹو سے پاکستان کی علیحدگی اور اب غیر جانبدارانہ تحریک کے ساتھ عملی وابستگی کے ساتھ بظاہر یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ پاکستان شاید مکمل غیر جانبداری کی شاہراہ پر گامزن ہو رہا ہے مگر ایرانی انقلاب کے بعد جنوبی ایشیا میں امریکی مفادات کے مخدوش مستقبل اور افغانستان میں روس کی مسلح مداخلت سے پاکستان کی سالمیت کو درپیش خدشات نے غیر جانبداری کی طرف پاکستان کی خارجہ پالیسی کی پیش رفت کو نہ صرف بریک لگا دی ہے بلکہ گاڑی ریورس گیئر میں آچکی ہے اور ایکسیلیٹر پر باہمی مفادات کے بار کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس وقت امریکہ پاکستان کی سیاسی اقتصادی اور فوجی امداد میں بظاہر تو ہی فراخدلی کا مظاہرہ کر رہا ہے اور بعینہ طور پر بعض ناگزیر تحفظات اور مصلحتوں کو بھی نظر انداز کر رہا ہے جس کا مقصد شاید یہ ہے کہ پاکستانی عوام کو اس سلسلہ میں گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کا احساس دلایا جائے، پروپیگنڈہ کے عالمی اور قومی محاذ پر اس تاثر کو اجاگر کرنے میں امریکہ اور اس کے حواریوں کو ایک حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے لیکن صورت حال کا حقائق اور واقعات کی بنیاد پر تجزیہ کیا جائے تو امریکہ کی اس فراخدلی اور پاکستان دوستی کے پس منظر میں باہمی مفادات کے مساویانہ اشتراک یا ایک آزاد اور خود مختار قوم کو اس کی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ کے لیے باوقار طور پر مدد دینے کا جذبہ کار فرما دکھائی نہیں دیتا بلکہ اس ظاہری فراخدلی کی بنیاد بھی اسی مخصوص استعماری ذہنیت اور سامراجی مزاج پر کھڑی نظر آتی ہے جس کا مقصد ضرورت مند ممالک کے گرد اپنے مخصوص استعماری مفادات کے شکنجے کو تنگ سے تنگ تر کرتے چلے جانا ہے۔

اس وقت امریکہ کے سینیٹ اور کانگریس میں پاکستان کی فوجی و اقتصادی امداد کے لیے شرائط کا مسئلہ زیر بحث ہے اور امریکی سینیٹ کی سترہ رکنی خارجہ تعلقات کمیٹی کی ایک قرارداد پر امریکہ کے قومی حلقے غور کر رہے ہیں جس میں ان شرائط کا تعین کیا گیا ہے جس کے تحت پاکستان کو اواکس طیارے اور دیگر فوجی و اقتصادی امداد دی جانے والی ہے۔ قرارداد کے مندرجات اور شرائط پر گفتگو سے پہلے ہم اس اصولی مسئلہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ آخر پاکستان کو دی جانے والی امداد شرائط کے ساتھ مشروط کیوں ہے؟

شرائط خواہ کچھ بھی ہوں جب اس امداد کا تعلق پاکستان کے یکطرفہ مفادات سے نہیں ہے اور جنوبی ایشیا میں خود امریکی مفادات کا پلڑا اس سودے میں واضح طور پر جھکا ہوا ہے تو پھر یکطرفہ شرائط کا کیا جواز ہے؟

یہ درست ہے کہ افغانستان میں مسلح روسی مداخلت اور فوج کشی اور بھارت کی جنونی قیادت کے پاکستان دشمن عزائم سے پیدا شدہ صورت حال میں پاکستان کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ جنوبی ایشیا میں امریکی مفادات کا سہارا لیتے ہوئے علاقہ میں دفاعی توازن قائم کرنے کے لیے اس سے امداد حاصل کرے لیکن یہ بات بھی بالکل اسی طرح درست ہے کہ ایران سے رضا شاہ پہلوی کی رخصتی کے بعد جنوبی ایشیا میں اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے امریکہ کے پاس بھی کوئی "گن مین" باقی نہیں رہا۔ اور یہ ایک ایسا خلا ہے جسے پُر کیے بغیر اس خطہ میں اپنی موجودگی کا تسلسل برقرار

رکھنا امریکہ کے لیے ممکن ہی نہیں ہے اس لیے مفادات صرف پاکستان کے نہیں امریکہ کے بھی ہیں اور جب مفادات دوطرفہ ہیں تو باہمی مشترکہ مفادات کے تحفظ کا معاملہ طے کرتے ہوئے یکطرفہ شرائط کی بات نہ صرف اصولوں کے منافی ہے بلکہ اس سے خود امریکہ کے خلوص اور ذہنیت کا بھی بہت آسانی کے ساتھ اندازہ کیا جاسکتا ہے ہمارے نزدیک پاکستان کی امداد کے لیے امریکہ کی طرف سے لگائی جانے والی شرائط سے جو تاثر ابھرتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ دو آزاد اور خود مختار ملک ایک علاقہ میں باہمی مشترکہ مفادات کی بنیاد پر کوئی آزادانہ معاملہ کر رہے ہیں بلکہ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ایک آقا اپنے نوکر کو کچھ بخشش دے کر ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ پیسے تمہیں اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تم فلاں فلاں کام سے باز رہو اور یہ تاثر ایک آزادانہ اور نظریاتی مملکت کی حیثیت سے پاکستان کے لیے کسی طرح بھی عزت و وقار کا باعث نہیں ہے۔

امریکی سینٹ کی قرارداد

ان گذارشات کے بعد امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کی اس قرارداد پر ایک نظر ڈال لینا بھی مناسب ہوگا جسے پاکستان میں امریکی لابی پاکستان کی بہت بڑی فتح قرار دینے پر مصر ہے اور اسے امریکہ کی پُرخلوص پاکستان دوستی سے تعبیر کیا جا رہا ہے اس قرارداد میں پہلی خبر روزنامہ نوائے وقت لاہور نے ۲۵ اپریل ۸۶ء کو

"امریکی امداد کو جمہوری عمل، انسانی حقوق اور مذہبی آزادی کے ساتھ مشروط کر دیا گیا"

کی شہ سرخی کے ساتھ شائع کی جس کا متن یہ ہے۔

"امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی نے پاکستان کو چھ سال کے عرصہ کے دوران چار ارب دو کروڑ ڈالر کی امداد کی فراہمی کے سلسلہ میں قرارداد کی آٹھ کے مقابلہ میں گیارہ ووٹوں سے منظوری دے دی ہے وائس آف امریکہ کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس قرارداد کے مسودہ میں یہ شرائط بھی شامل ہیں کہ امریکی حکومت کو ہر برس یہ تصدیق کرنا ہوگا کہ پاکستان نہ تو ایٹم بم بنا رہا ہے اور نہ ہی دوسری اقوام کو ایٹم بم بنانے کی تیاری میں کوئی مدد دے رہا ہے وائس آف امریکہ نے مزید بتایا کہ قرارداد کے مسودہ میں امداد کی فراہمی کے ضمن میں پاکستان میں جمہوری عمل کے مسلسل جاری رہنے، انسانی حقوق کے احترام اور مذہبی آزادیوں کی شرائط بھی شامل ہیں اب سینٹ اور ایوان نمائندگان میں علیحدہ علیحدہ پاکستان کو امداد کی فراہمی کی قراردادوں پر رائے شماری ہوگی اور یہ عمل جون تک مکمل ہو جائے گا۔"

جب کہ روزنامہ جنگ کے خصوصی مضمون نگار جناب ارشاد احمد حقانی نے جنگ لاہور کی ۵ مئی ۸۶ء کی اشاعت میں "مشروط امریکی امداد اور پاکستان کا ردعمل" کے عنوان سے اپنے مضمون میں امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کی مذکورہ قرارداد کے کچھ حصوں کا ترجمہ شامل کیا ہے جو ان کے الفاظ میں یوں ہے کہ

(۱) امریکی صدر ہر سال اس مفہوم کا ایک سرٹیفکیٹ جاری کریں گے کہ حکومت پاکستان ارادہ رکھتی ہے کہ پاکستان کے دستور کے مطابق ایسے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر کرائے گی جن میں تمام اہل ووٹروں کو رائے دینے کا حق ہوگا اگر کسی سال ایسا سرٹیفکیٹ جاری کرنے سے پہلے مذکورہ نوعیت کے انتخابات منعقد کرائے جا چکے

ہوں گے تو سرٹیفکیٹ میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

(۲) امریکی صدر یہ سرٹیفکیٹ بھی جاری کریں گے کہ حکومت پاکستان نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالہ کرنے میں نمایاں اور مشہور ترقی کی ہے خاص طور سے شہریوں کو اذیت دینے، غیر متحارب شہریوں پر مسلح حملے کرنے، طویل عرصہ تک من مانے طور پر لوگوں کو نظر بند رکھنے اور سیاسی بنیادوں پر قید و بند کے احکامات جاری کرنے کا عمل نمایاں طور پر کم کر دیا گیا ہے۔

(۳) حکومت پاکستان نے پُرامن اجتماعات کے انعقاد اور تمام شہریوں کے اس حق کا احترام کرنے میں نمایاں ترقی کی ہے کہ وہ سیاسی سرگرمیوں میں آزادانہ حصہ لے سکیں۔

(۴) اقلیتی گروہوں مثلاً احمدیوں کو مکمل شہری اور مذہبی آزادیاں نہ دینے کی روش سے باز آ رہی ہے اور ایسی تمام سرگرمیاں ختم کر رہی ہے جو مذہبی آزادیوں پر قدغن عائد کرتی ہیں۔

(۵) پیرا ۹۲ میں منشیات کی تیاری، فروخت اور استعمال وغیرہ سے متعلق بعض شرائط عائد کی گئی ہیں جب کہ پیرا ۹۲۴ میں کہا گیا ہے کہ اگر بھارت اپنی جوہری سہولتوں اور ساز و سامان پر جامع تحفظات قبول کر لے تو پاکستان کو امداد ملنے والا استثناء ختم ہو جائے گا تو اس کی امداد جاری رہ سکے گی۔

یہ شرائط ہیں جو اس وقت سینیٹ کی ۱۹ رکنی خارجہ تعلقات کمیٹی کے منظور کردہ مسودہ میں موجود ہیں ایوان نمائندگان کی ۴۵ رکنی کمیٹی نے بھی کم و بیش انہی خطوط پر اپنی سفارشات تیار کی ہیں دونوں کمیٹیوں کی سفارشات اب مکمل ایوانوں کے سامنے جائیں گی۔ اور توقع یہی ہے کہ اسی شکل میں منظور ہو جائیں گی۔

یہ ہیں پاکستان کی امداد کے لیے امریکہ کی طرف سے عائد کی جانے والی وہ شرائط جو دو قومی روزناموں جنگ اور نوائے وقت کی ذمہ دارانہ رپورٹنگ کی صورت میں سامنے آئی ہیں ان کے علاوہ امریکہ کی طرف سے دیئے جانے والے اواکس طیاروں کے لیے امریکی عملہ کو قبول کرنے کی شرط بھی عالمی پریس اور قومی اخبارات کے ذریعے سامنے آئی ہے اور اس پر قومی حلقوں میں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔

ہم اپنا اصولی موقف اس سے قبل وضاحت کے ساتھ دہرا چکے ہیں کہ پاکستان کے لیے امریکی امداد کا مشروط ہونا ہی سرے سے محل نظر ہے۔ اور پاکستان کے قومی وقار کا تقاضا یہ ہے کہ یہ امداد دو طرفہ مفادات کی بنیاد پر غیر مشروط ہو لیکن اس اصولی موقف سے تھوڑی دیر کے لیے صرف نظر کر کے اگر ان شرائط کا تفصیل سے تجزیہ کیا جائے تو ہمارے نزدیک ان میں سے چار شرائط بطور خاص ایسی ہیں جن کو قبول کرنا پاکستان کی نظریاتی اساس، قومی وقار، دفاعی خود مختاری اور ملت اسلامیہ کے دینی تشخص کی کلیتہً نفی کر دینے کے مترادف ہوگا۔ وہ چار شرائط یہ ہیں کہ

(۱) پاکستان ایٹم بم نہ بنائے اور نہ ہی کسی دوسرے ملک کو ایٹم بم بنانے میں مدد دے۔

(۲) امریکہ اور روس کے حواریوں کے تصورات کے مطابق انسانی حقوق کی ضمانت دی جائے۔

(۳) قادیانیوں کے خلاف گزشتہ آئینی و قانونی اقدامات واپس لیے جائیں اور آئندہ کوئی کارروائی نہ کرنے کا یقین دلایا جائے۔

(۴) اواکس طیاروں کے لیے امریکی عملہ قبول کیا جائے۔

ایٹم بم کا مسئلہ

جہاں تک پاکستان کو ایٹم بم بنانے سے روکنے کا مسئلہ ہے یہ عالمی قوتوں کی اس طے شدہ پالیسی کا حصہ ہے کہ عالم اسلام کے کسی ملک کو ایٹمی قوت کے قریب نہ پھٹکنے دیا

جائے۔ کیونکہ وہ اپنے طور پر یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر جہاد کا جو جذبہ ہے اگر وہ منظم ہو گیا۔ اور اسے ایٹمی قوت کا سہارا بھی مل گیا۔ تو جذبے اور قوت کا یہ امتزاج مسلمانوں میں عظمت رفتہ کی بحالی کے تصور کو اجاگر کر دے گا۔ اور ملت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کی بحالی کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ عالم اسلام ایک بار پھر عالمی قوت کی حیثیت سے ابھرے اور اپنے دور زوال کے عرصہ میں جنم لینے والے سیاسی نظریاتی اور معاشی نظاموں کو میدان عمل میں شکست دے کر دنیا میں ایک بار پھر اسلام کی بالادستی کا پرچم بلند کر دے یہی وہ خوف ہے جو عالمی قوتوں کو مسلم ممالک کے اندرونی معاملات میں زیادہ سے زیادہ دخیل ہونے پر مجبور کر رہا ہے اور اس خوف کی ایک ہلکی سی جھلک امریکہ کے سابق صدر مسٹر نکسن کی طرف سے روسی دانش وروں کو دی جانے والی اس دعوت میں دیکھی جا سکتی ہے جس میں انہوں نے عالم اسلام کے مختلف ممالک میں ابھرنے والی دینی بیداری کی تحریکات کو امریکہ اور روس کے لیے مشترکہ خطرہ قرار دیتے ہوئے روسی دانشوروں کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ اس خطرہ کا احساس کریں اور امریکہ کے ساتھ اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر عالم اسلام کی دینی بیداری کی تحریکات کو غیر مؤثر بنانے کے لیے امریکی دانشوروں کے ساتھ مل کر مشترکہ حکمت عملی وضع کریں۔

سامراجی قوتوں کا یہ خوف بجا ہے لیکن اس خطرہ کو روکنے کے لیے مسلمانوں کو ایٹمی قوت اور نظریاتی بیداری سے محروم رکھنے کی سازشیں کرنا ایسا طریق کار نہیں ہے۔ جسے جرأت مندانہ یا اخلاقی طرز عمل قرار دیا جا سکے مقابل کو ہتھیاروں اور مقابلہ کے مساویانہ ذرائع سے محروم رکھنے کی سوچ بنیادی طور پر خود اعتمادی کے فقدان کی دلیل ہے امریکہ روس اور دیگر بڑی قوتوں میں اپنے نظریات اور نظاموں کے بارے میں خود اعتمادی کا یہ فقدان ہی ان قوتوں کی ایسی پالیسیوں کا باعث بن رہا ہے جن کا مقصد عالم اسلام کو جدید ترین ٹیکنالوجی، ایٹم بم کی دفاعی قوت اور نظریاتی بیداری سے ہر حالت میں اور ہر قیمت پر روکنا ہے۔

ہمیں عالمی قوتوں کی اس اجارہ دارانہ روش کے بارے میں بہرحال کوئی دوٹوک موقف اختیار کرنا ہوگا مسلمان دنیا میں ایک ارب کے قریب ہیں اور ان کے آزاد ممالک کی تعداد نصف صد کے لگ بھگ ہے لیکن وہ ایٹم بم جیسے ضروری ہتھیار سے محروم ہیں عراق کا ایٹمی مرکز تباہ کر دیا گیا ہے اور پاکستان کی ایٹمی تنصیبات ہر وقت دشمن کے حملہ کی زد میں اور عالمی قوتوں کی مسلسل سازشوں کے حصار میں ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اگر امریکہ، روس برطانیہ، فرانس اور چین ایٹم بم بنا سکتے ہیں تو پاکستان کو اس کا حق کیوں نہیں ہے اور ساگران اجارہ دار قوتوں کو بھارت اور اسرائیل کا ایٹمی قوت ہونا گوارا ہے تو پاکستان کے ایٹمی قوت ہونے کے تصور سے ان کی نیندیں کیوں حرام ہو جاتی ہیں ایٹم بم پاکستان کا بلکہ عالم اسلام کا حق ہے اور صرف حق ہی نہیں بلکہ قرآن کریم کی زبان میں یہ ان کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ وقت کی جدید ترین قوت کو اس حد تک حاصل کریں جس سے وہ اپنے دشمن کو خوفزدہ کر سکیں اور طاقت کا توازن ان کے حق میں ہو آخر امریکہ اور روس کی فوجی پالیسیوں کا محور بھی تو یہی ہے کہ مخالف پر رعب اور خوف کی کیفیت طاری کر کے طاقت کے توازن کو اپنے حق میں رکھا جائے اس لیے اگر یہی بات قرآن کریم نے مسلمانوں سے کہہ دی ہے اور مسلمان اس مذہبی فریضہ کی تکمیل کے لیے ایٹم بم بنانے کے خواہاں ہیں تو اس پر پیشانیوں کو شکن آلود کر لینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ہمارے نقطہ نظر سے ایٹم بم پاکستان کی ضرورت اور اس کا جائز حق ہے اور اسے اس حق سے محروم رکھنے کی کوئی بھی کوشش پاکستان کے ساتھ دوستی کا عنوان اختیار

نہیں کرسکتی اس پس منظر میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ کی طرف سے پاکستان کی امداد کے لیے ایٹم بم نہ بنانے کی شرط سراسر غیر منصفانہ ہے جس کے بارے میں حکومت پاکستان کو دوٹوک اور جرأت مندانہ موقف اختیار کرتے ہوئے اسے یکسر مسترد کر دینا چاہیئے۔

انسانی حقوق کے نام پر

حکومت پاکستان کو انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا ازالہ کرنے کا پابند بنانے کی امریکی شرط بظاہر ایک بے ضرر بلکہ انسانی ہمدردی پر مبنی شرط دکھائی دیتی ہے لیکن اس شرط کے منظر عام پر آتے ہی پاکستان میں ایک منظم مہم کے ذریعہ اسے جو مفہوم اور معنی پہنایا جا رہا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۲۵ اپریل ۸۷ء کو پاکستانی اخبارات نے وائس آف امریکہ کے حوالہ سے ان امریکی شرائط کی خبر شائع کی ہے اور ۲۵ اپریل کو ہی لاہور میں "انسانی حقوق کمیشن پاکستان" کے نام سے ایک تنظیم نے جنم لیا ہے جس کے سربراہ سابق جسٹس جناب دراب پٹیل چنے گئے ہیں اور سیکرٹری جنرل کا منصب بیگم عاصمہ جہانگیر کے حصہ میں آیا ہے۔ سابق جسٹس دراب پٹیل کا تعلق پارسی مذہب سے ہے اور بیگم عاصمہ جہانگیر ایک قادیانی مسٹر جہانگیر ایڈووکیٹ کی اہلیہ ہیں۔

جناب دراب پٹیل نے انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کے پہلے عام اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انسانی حقوق کے بارے میں کمیشن کے تصورات کی وضاحت کی ہے اور اس ضمن میں یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ

"انہوں نے کہا کہ کمیشن کو بہت سے ایسے قوانین منسوخ کرانے کی کوشش بھی کرنا ہوگی جو یکطرفہ ہیں اور جن سے قانون کی خلاف ورزی کا راستہ کھلتا ہے انہوں نے اس سلسلہ میں حدود آرڈیننس قانون شہادت میں مرد و عورت کی حیثیت غیر مسلموں کو مسلمانوں کی شہادت اور عورت کو مرد کی گواہی پر سزا۔ قادیانیوں اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والا قانون، جداگانہ انتخابات کا قانون اور سیاسی جماعتوں کا قانون جیسے قوانین کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ ان قوانین کو باقی رکھنے سے ملک کی یکجہتی کو شدید نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ اپریل ۸۷ء)

اس کے بعد اس نام نہاد انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان نے انسانی حقوق کا ایک باضابطہ ڈیکلریشن تیار کیا ہے جو کمیشن کی سیکرٹری جنرل بیگم عاصمہ جہانگیر کی طرف سے جاری کیا گیا ہے اس ڈیکلریشن کے بارے میں روزنامہ نوائے وقت لاہور کی ۲۷ اپریل کی اشاعت میں شائع ہونے والی رپورٹ کے اہم حصے یہ ہیں۔

"انسانی حقوق کے نو تشکیل شدہ انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کی جنرل باڈی کے اجلاس میں مختلف قراردادوں پر مشتمل جو ڈیکلریشن تیار کیا گیا ہے اس میں درج ایک قرارداد میں تعزیرات پاکستان اور حدود آرڈیننس کے تحت بعض سزاؤں کو ظالمانہ اور غیر انسانی قرار دیا گیا ہے اور مطالبہ کیا گیا ہے کہ سنگسار کرنے اور پھانسی پر لٹکانے سے متعلق موت کی سزا فوری طور پر ختم کر دی جائے قرارداد میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ کوڑے لگانے ہاتھ کاٹنے اور قید تنہائی میں رکھنے کی سزائیں بھی ختم کر دی جائیں۔ ڈیکلریشن میں تمام مذہبی اقلیتوں کی تائید کی گئی اور اس ضرورت پر زور دیا گیا کہ حکومت یا کسی بھی شخص کو براہ راست یا بالواسطہ دوسرے مذہب یا فرقے کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔"

امریکی سینیٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کی طرف سے پاکستان کی امداد کے سلسلہ میں عائد کی جانے والی شرائط میں انسانی حقوق کی ضمانت کے ذکر کے ساتھ ہی پاکستان میں انسانی کی تشکیل اور اس کی طرف سے حدود آرڈی ننس قانون شہادت، قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے، ہاتھ کاٹنے، کوڑے مارنے، سنگسار کرنے اور جداگانہ انتخابات جیسے قوانین کو انسانی حقوق کے منافی اور ظالمانہ قوانین قرار دے کر ان کی منسوخی کی مہم کا مقصد اور مطلب اس کے سوا کیا لیا جا سکتا ہے کہ امریکی شرائط میں انسانی حقوق کا ذکر بھی دراصل پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کو روکنے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے والا قانون منسوخ کرانے کے لیے ہے اس لیے ہمارے نزدیک یہ شرط اسلامی نظام عدل پر ایک شرمناک حملہ ہے جسے نہ صرف حکومت پاکستان کو دوٹوک مسترد کر دینا چاہیئے بلکہ اسلامی قوانین کی اس بالواسطہ مخالفت پر حکومت امریکہ سے باضابطہ احتجاج بھی کرنا چاہیئے۔

قادیانیوں کی مذہبی آزادی

امریکی سینیٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی نے قادیانیوں کو وفاداری کا باضابطہ سرٹیفکیٹ جاری کرنا بھی مناسب خیال کیا ہے جس کا فائدہ قادیانیوں کو تو سردست یہ ہو گا کہ وہ اپنے مذہب کے پیروکاروں کے تیزی کے ساتھ گرتے ہوئے مورال کو یہ کہہ کر بحال کرنے کی کوشش کر سکیں گے کہ اب کوئی فکر کی بات نہیں امریکہ نے ہماری حمایت میں حکومت پاکستان کو ڈانٹ دیا ہے لیکن اس نقصان کی تلافی شاید اب قادیانی قیادت کے بس کبھی نہیں ہو گی کہ امریکی سینیٹ کی اس قرارداد نے قادیانی گروہ کے سامراجی ایجنٹ ہونے پر ہمیشہ کے لیے ناقابل تردید مہر تصدیق ثبت کر دی ہے لیکن اس سے قطع نظر امریکی قرارداد کے اس پہلو کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ امریکی راہنماؤں کی جانبداری، مسلمانوں کے خلاف عصبیت اور اجارہ دارانہ ذہنیت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ قادیانی مسلم تنازعہ کو مذہبی معتقدات کے مباحث سے الگ کر کے بھی دیکھا جائے تو صورت حال یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں قادیانیوں کے حقوق مجروح ہو رہے ہیں بلکہ درحقیقت قادیانی اقلیت اپنے سامراجی آقاؤں کی شہہ پر مسلمانوں کے جائز حقوق کو غصب کر رہی ہے اور امریکہ جیسی عالمی قوتیں انصاف کے تمام تقاضوں کو نظرانداز کرتے ہوئے قادیانیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔

قادیانی مسلم تنازعہ کا ایک سادہ سا منظر یہ ہے کہ قادیانی گروہ مسلمانوں سے الگ ایک نئی مذہبی امت ہے اور اس وقت دنیا میں موجود ایک ارب کے قریب مسلمانوں کے وجود کا حصہ نہیں ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے خود قادیانی بھی انکار نہیں کرتے لیکن اس کھلم کھلا اور واضح حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی خود کو مسلمان کہلانے اور اسلام کا نام اور مسلمانوں کے مخصوص مذہبی شعائر علامات اور امتیازات استعمال کرنے پر ہٹ دھرمی کی حد تک مصر ہیں سوال یہ ہے کہ جب قادیانی حضرات مسلمانوں کے وجود کا حصہ نہیں ہیں تو جو نام، اصطلاحات اور علامات پندرہ سو برس سے مسلمانوں کے ساتھ مخصوص چلی آ رہی ہیں ان کے استعمال پر قادیانیوں کو اصرار کیوں ہے؟ مسلمانوں کا موقف یہ ہے کہ قادیانیوں کی طرف سے اسلام کا نام اور مسلمانوں کی مذہبی علامات کے استعمال سے یہ نظر آتا ہے کہ دونوں ایک مذہب کے پیروکار ہیں جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے اور قادیانی خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اور مسلمانوں کا مذہب الگ الگ ہے۔ اس سے اشتباہ [illegible] تا ہے اور مسلمانوں کا دینی تشخص اور مذہبی امتیاز مجروح ہوتا ہے اپنے دینی تشخص اور مذہبی امتیاز کا تحفظ دنیا کے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی طرح مسلمانوں کا بھی جائز قانونی اور اخلاقی حق ہے قادیانی اس حق کی

خلاف ورزی کر رہے ہیں اور وہ مسلمانوں کے حق کو غصب اور مجروح کرنے پر بضد ہیں اسی لیے پاکستان کے دستور میں انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے اور انہیں اسلامی اصطلاحات وعلامات کے استعمال سے روکنے کے لیے صدارتی آرڈیننس نافذ کیا گیا ہے لیکن امریکہ کے نام نہاد دانشور مسلمانوں کو ان کے دینی تشخص کے تحفظ کا حق دلوانے کی بجائے قادیانیوں کو دنیا کے سامنے دھوکہ اور اشتباہ کی فضا قائم رکھنے کا خود ساختہ حق دلانے کی کوشش کر رہے ہیں اگر حق اسی کا نام ہے تو پھر امریکی سینٹ کے ارکان کو امریکہ کی جیلوں میں پڑے ہوئے ان لوگوں کو بھی یہ حق دلانے کی مہم چلانی چاہیئے جو دھوکہ اور فراڈ کے کیسوں میں سزا بھگت رہے ہیں یا جن پر دوسرے لوگوں کی فرموں اور اداروں کا نام اور ٹریڈ مارک غلط طور پر استعمال کر کے دھوکہ دینے کے الزام میں مقدمات چل رہے ہیں آخر ان کا قصور قادیانیوں سے تو مختلف نہیں ہے وہ بھی تو یہی کچھ کر رہے ہیں جو قادیانی گروہ کر رہا ہے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک گروہ کی دھوکہ دہی کو تحفظ دینے والے امریکی سینٹر اپنے ملک کے دھوکہ بازوں کے حقوق کے تحفظ کا پرچم بھی بلند کریں تاکہ دنیا یہ سمجھ سکے کہ امریکی دانشوروں کے انصاف کا اصول سب کے لیے یکساں ہے

الغرض پاکستان کی امداد کے لیے امریکی شرائط میں قادیانیت کے تحفظ کی صراحت مسلمانوں کے دینی تشخص کے تحفظ کے جائز حق کی نفی کے مترادف ہے جسے حکومت پاکستان کو کسی تامل اور تاخیر کے بغیر مسترد کر دینا چاہیئے۔

امریکی عملہ قبول کرنے کی شرط

اواکس طیاروں کے لیے امریکی عملہ کو قبول کرنے کی شرط اپنے فنی تقاضوں کے لحاظ سے جس قدر بھی پیچیدہ ہو ہمارے لیے اس کے نتائج کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے حکومت پاکستان اب تک امریکہ کو پاکستان میں اڈے نہ دینے کے موقف کا کھلم کھلا اظہار کرتی رہی ہے اور اب انہی اڈوں پر امریکی عملہ کے براہ راست عمل دخل سے اڈے نہ دینے کے موقف میں کوئی وزن باقی نہیں رہ جائے گا اور اس سے نہ صرف پاکستان کی دفاعی خود مختاری کا تصور مجروح ہوگا بلکہ علاقائی کشمکش میں روس کے براہ راست ملوث ہونے کے امکانات بھی بڑھ جائیں گے اس لیے ہمارے نزدیک اس شرط کو قبول کرنا بھی بہتر صورت پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ملک کے دینی وعوامی حلقوں کے جذبات کی طرف توجہ دلا کر اسے اس ضمن میں عوامی جذبات سے ہم آہنگ موقف اختیار کرنے پر آمادہ کرنا ہے وہاں اس سے ہماری غرض پاکستان کے قومی اور دینی حلقوں کو بھی اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور پاکستان کو امریکی سامراج کی پالیسیوں کی ریموٹ کنٹرول غلامی سے نجات دلانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں

پاکستان ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ملک ہے جس سے عالم اسلام کی بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ اگر پاکستان خود اپنی آزادی اور خود مختاری کو ہی قائم نہ رکھ سکا تو وہ عالمی مسلم برادری کی توقعات اور آرزوؤں پر کیسے پورا اتر سکے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے دینی حلقے باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اگر اس سلسلہ میں مشترکہ لائحہ عمل کی راہ اختیار کریں اور امریکی دانشوروں پر یہ بات کھل کر واضح کر دیں کہ پاکستان کی رائے عامہ امریکی شرائط کو اپنی آزادی، خود مختاری، معتقدات اور دینی تشخص کے منافی سمجھتی ہے تو امریکہ کے لیے ان شرائط پر نظر ثانی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا لیکن اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ پاکستان کے دینی اور قومی حلقے اس سلسلہ میں کس حد تک سنجیدگی اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔